Rights of Minorities in an Islamic Society and Peaceful Co-Existence: An Overview of the Judgement of the Supreme Court of Pakistan

Habib Ur Rehman❁
Asghar Shahzad❁

ABSTRACT

The present paper is a critical study of a judgement given by the Supreme Court of Pakistan following an attack on a church in Peshawar and media reports revealing that the *Kālāsh* and *Ismāʿīlī* tribes in the district Chitral of Khyber Pakhtunkhwa province are being forced to convert to Islam. The court declared all such incidents as violation of fundamental rights that are guaranteed in the constitution of Islamic Republic of Pakistan. The court also directed the federal government to prepare an appropriate curriculum at school and college levels to promote a culture of religious and social tolerance, and take preventive measures to

❁ Chairman, Department of Training, Sharīʿah Academy, International Islamic University, Islamabad. (habib-rehman@iiu.edu.pk)

❁ Lecturer, Department of Training, Sharīʿah Academy, International Islamic University, Islamabad. (asghar.shahzad@iiu.edu.pk)

discourage propagation of hateful speeches on social media. The paper critically evaluates some of the controversial issues raised in the said judgement in the light of the *sharīʿah*.

❁ ❁ ❁ ❁ ❁

اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق اور پر امن بقائے باہمی: عدالت عظمی کے فیصلے کا علمی جائزہ

حبیب الرحمٰن ۞

اصغر شہزاد ۞

تعارف

غیر مسلم اقلیتوں کی طرف سے بالعموم ان تحفظات کا شد و مد سے اظہار کیا جاتا ہے کہ مملکت خداداد میں ان کے ساتھ امتیازی برتاؤ کیا جاتا ہے، انھیں مساوی شہری حقوق میسر نہیں ہیں اور انھیں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جب بھی اسلامی دستور کی تدوین و اجرا اور ریاستی اداروں کی اسلامی تشکیل کا مطالبہ کیا گیا تو غیر مسلم اقلیتوں کے نمائندوں کی طرف سے اس بنا پر مخالفت کی گئی کہ اس سے ان کے مذہبی اور شہری حقوق پامال ہوں گے اور وہ دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ جائیں گے؛ مزید یہ کہ اسلامی ریاست میں شریعت کی فرماں روائی کی صورت میں ریاست کے شہریوں کے حقوق سے متعلق عصر جدید کے معیارات کی بھی نفی ہو گی۔ مثالوں میں وہ واقعات کثرت سے بیان کیے جاتے ہیں جن میں توہین رسالت کے حوالے سے کسی غیر مسلم کو سزا سنائی جاتی ہے یا کوئی ہندو لڑکی قبول اسلام کے بعد کسی مسلمان لڑکے کے ساتھ شادی کر لیتی ہے یا کسی مذہبی اقلیت کی عبادت گاہ کو نقصان پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس پس منظر میں سپریم کورٹ آف پاکستان کا وہ فیصلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے جو پشاور چرچ کے سانحے کے بعد دیا گیا تھا۔ ۲۲ر ستمبر ۲۰۱۳ء کو پشاور کے ایک چرچ پر خود کش حملہ ہوا جس میں اکیاسی افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ سپریم کورٹ آف پاکستان نے آئین کے آرٹیکل ۱۸۴ (۳) کے تحت اس واقعے کا ازخود نوٹس لیا۔ [1]

مقدمے کی ایف۔ آئی۔ آر خان رازق شہید پولیس سٹیشن، پشاور میں درج کی گئی۔ اقلیتوں کی طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ ان کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ اس واقعے کے بعد ملکی ذرائع ابلاغ میں غیر مسلموں کی

۞ چیئرمین، شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(habib-rehman@iiu.edu.pk)

۞ لیکچرر، شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔(asghar.shahzad@iiu.edu.pk)

1– Sou Motu Case No. 1 of 2014, P.L.D. 2014 (1), S.C., 705.

حیثیت اور ان کے حقوق کے بارے میں ایک فکری مباحثہ شروع ہو گیا۔ ۱۲/ فروری ۲۰۱۴ء کو روزنامہ ڈان[۲] میں ایک خبر شائع ہوئی کہ چترال میں اسماعیلی اور کالاش فرقوں کو مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اسلام قبول کریں، بہ صورت دیگر موت کے لیے تیار ہو جائیں۔ عدالت عظمیٰ نے اس خبر اور اس نوع کے دیگر واقعات کا بھی نوٹس لیا۔ اس مقدمے کے دوران عدالت نے غیر مسلم اقلیتوں کا نقطۂ نظر جاننے کے لیے ان کے نمائندوں، مذہبی رہ نماؤں اور ان کی تنظیموں کو بھی مدعو کیا۔ اس مقدمے میں غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق جو اہم مسائل ان کے نمائندوں، مذہبی رہ نماؤں اور ان کی تنظیموں کی طرف سے زیر بحث لائے گئے، ان میں سے درج ذیل بہ طور خاص قابل ذکر ہیں:

> The allegation that Hindu girls were forcibly converted into Islam regarding which criminal cases were registered but there has been no progress. [3]

(یہ الزام کہ ہندو لڑکیوں کو جبراً مسلمان بنایا جاتا ہے، اس حوالے سے فوج داری مقدمات بھی دائر کیے گئے لیکن اس میں کوئی پیش رفت نہیں ہو سکی)

مقدمے کے دوران عدالت نے غیر مسلم اقلیتوں کے نمائندوں، مذہبی رہ نماؤں اور ان کی تنظیموں کو اپنے تحفظات اور شکایات سے آگاہ کرنے کا پورا موقع دیا۔ اٹارنی جنرل اور سندھ، پنجاب، پختون خواہ کے ایڈووکیٹ جنرلز کا موقف بھی سنا۔ بیش تر مسائل انتظامی نوعیت کے تھے جن پر فوری عمل درآمد کا حکم دے دیا گیا۔ البتہ فیصلے میں درج ذیل نکات زیادہ اہمیت کے حامل ہیں:

۱۔ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق شعور کی کمی؛

۲۔ مذہبی آزادی کا حق؛

۳۔ مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے تشدد اور تعصبات کا پیدا ہونا؛

۴۔ عبادت گاہوں کا قیام، تحفظ اور تبلیغ و اشاعت مذہب؛

۵۔ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سماجی اور مذہبی سطح پر رواداری پیدا کرنے کے لیے خصوصی اقدامات؛

۶۔ تعلیمی نصاب میں تبدیلی؛

2- "Pakistani Taliban Threaten Kalash tribe, Ismailis in Chitral", Dawn, accessed February 3, 2021, http://www.dawn.com/news/1086564.

3- Ibid, 706-707.

۷- نفرت انگیز مواد اور تقریروں پر پابندی؛

۸- اقلیتوں کے حقوق کی قومی سطح کی ایک کونسل بنانا[۴]

یہ وہ اہم نکات تھے جو عدالت عظمیٰ کے مذکورہ فیصلے میں زیر بحث آئے؛ ان پر اس مقالے میں تفصیل کے ساتھ بحث ہو گی، تاہم اقلیتوں کے حقوق سے متعلق یہ بات نہایت اہمیت کی حامل ہے کہ مارچ ۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی کی طرف سے قرار دادِ مقاصد کی منظوری کے ساتھ ہی ریاست و حکومت کی تشکیل میں اسلام کے کردار اور غیر مسلموں کی حیثیت اور ان کے حقوق کے بارے میں زوردار علمی و فکری مباحثے کا آغاز ہو گیا تھا۔اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت اور ان کے شہری حقوق پر مباحثے کو قادیانیت مخالف تحریک(۱۹۵۳ء) پر جسٹس محمد منیر اور ایم کیانی پر مشتمل تحقیقاتی عدالت کی طرف سے شائع کردہ رپورٹ (۱۹۵۴ء) سے مزید تقویت ملی۔ جسٹس منیر نے اس وقت کی حکومت کا موقف ان الفاظ میں واضح کیا:

> The center represented by Khwaja Nazim ud Din did not wish to say that he was rejecting the demands, as, this would bring him with a head on clash with the ulama.

(وفاق کی نمائندگی خواجہ ناظم الدین نے کی، تاہم انھوں نے ایسا کوئی عندیہ نہیں دیا کہ وہ علما کے مطالبات کو مسترد کریں گے، کیوں کہ اس سے علما کے ساتھ تصادم ہو گا۔)

اس رپورٹ میں پاکستان میں اسلامی ریاست کے قیام کی صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ امتیازی برتاؤ اور ان کے حقوق کی پامالی کے خدشات کا برملا اظہار کیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں غیر مسلموں کے حقوق سے متعلق جو اہم مسائل زیر بحث آئے، ان میں غیر مسلموں کی حیثیت، غیر مسلموں کا حقِ تبلیغ اور ارتداد کی سزا بہ طور خاص قابل ذکر ہیں۔[۵]

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے حقوق کے حوالے سے خدشات کا سلسلہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا، جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے معلوم ہوتا ہے:

> The question of the rights of non-Muslims in Islamic State has been one of the most burning questions ever since Pakistan came into being. In 1948 the constituent Assembly issued a questionnaire to ascertain the opinions of experts as well as of the general public about the position of minorities in

---

4– Ibid, 713-328.

۵- دیکھیے: محمد منیر و ایم آر کیانی، **رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فساداتِ پنجاب** (لاہور: انصاف پریس، ۱۹۵۴ء)، ۲۱۶-۲۱۷۔

Pakistan.[6]

(پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی اسلامی ریاست میں اقلیتوں کے حقوق کا مسئلہ ایک اہم ترین سوال بن کر سامنے آیا۔ ۱۹۴۸ء میں دستور ساز اسمبلی نے ایک سوال نامہ جاری کیا تاکہ ماہرین اور عوام کی رائے کی روشنی میں پاکستان میں اقلیتوں کی حیثیت کا تعین کیا جاسکے۔)

پاکستان اور دیگر مسلمان ممالک میں جب بھی اسلامی قانون کے نفاذ کی بات کی جاتی ہے تو مسلم سیکولر طبقے اور اقلیتوں کی طرف سے برملا ان خدشات کا اظہار کیا جاتا ہے کہ اسلامی ریاست کا قیام مسلم و غیر مسلم کشمکش اور داخلی افتراق و انتشار کا موجب بن کر رہ جائے گا۔ ڈاکٹر محمد ارشد اپنے مقالے "اسلامی معاشرے میں اقلیتوں کے حقوق اور پر امن بقائے باہمی" میں لکھتے ہیں کہ پاکستان، مصر، شام اور تیونس وغیرہ مسلم ممالک میں اسلامی ریاست کے قیام سے متعلق غیر مسلم اقلیتوں کے نقطۂ نظر کی حمایت کی جاتی رہی ہے، اور طاقت ور مسیحی اور دیگر اقلیتوں کی طرف سے اسلامی ریاست کے تصور کی شدید مزاحمت و مخالفت کی گئی ہے۔ ان ممالک میں بھی سیکولر قومی ریاست کے تصور کے حامیوں اور اسلامی ریاست کے قیام کے علم بردار مسلم مفکرین کی طرف سے غیر مسلم شہریوں کی حیثیت اور ان کے حقوق پر ایک زبردست علمی و فکری مباحثہ برپا ہوا۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں (ذمی اور معاہد) کے متعلق شرعی احکام اور فقہی تعبیرات پر مسلم سیکولر قوم پرست دانش وروں اور اقلیتی دانش وروں کی تنقیدات نے مسلم مفکرین اور نظریہ سازوں کو اس مباحثے میں شرکت کے لیے انگیز کیا تھا۔ ان ممالک کے متعدد ممتاز اہلِ قلم جنھوں نے اس علمی و فکری مباحثے میں سرگرمی سے حصہ لیا ان میں نو مسلم فاضل محمد اسد، سید ابوالاعلیٰ مودودی، سید قطب، علامہ یوسف القرضاوی، راشد الغنوشی، ڈاکٹر فضل الرحمان، اسماعیل راجی الفاروقی وغیرہ بہ طور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ انھوں نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کی حیثیت اور ان کے مذہبی و شہری حقوق کی ایک نئی تعبیر پیش کی جس سے اسلامی ریاست کے تصور کے ناقدین و مخالفین اور خصوصاً مسلم ممالک میں موجود غیر مسلم اقلیتوں کے تحفظات دور ہو سکیں۔[۷]

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی حیثیت اور ان کے حقوق کے بارے میں وہ شرعی احکام اور روایتی فقہی و قانونی تعبیرات جو بالعموم غیر مسلم اقلیتوں اور سیکولر مسلم دانش وروں کی طرف سے ہدفِ تنقید و ملامت

6- Syed Abul ala Maududi, *Rights of Non-Muslims in Islamic State*, translated & Edited by Khurshid Ahmad (Lahore: Islamic Publications, 1967), 273.

۷- عبدالحئی ابڑو (مرتب)، **معاشرے کے استحکام میں رواداری کا کردار** (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء) ۳۱-۳۳۔

بنے ہیں، حسب ذیل چار موضوعات ہیں:

۱۔ حریت مذہب اور مذہبی وثقافتی حقوق

۲۔ عبادت گاہوں کا قیام اور تبلیغ واشاعت مذہب

۳۔ اعلیٰ ریاستی وحکومتی مناصب پر غیر مسلموں کا تقرر

۴۔ جزیہ کی وصولی

عدالت عظمی کے فیصلے میں جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان کا ذیل میں تفصیل سے تجزیہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ اقلیتوں کے حقوق سے متعلق شعور کی کمی

عدالت نے قرار دیا کہ نہ صرف عوام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں بھی اقلیتوں کے حقوق سے متعلق قوانین کا شعور نہیں ہے:

> The court also found that the inaction on the part of law enforcement agencies was an account of the lack of proper understanding of the relevant law; that there was a general lack of awareness about minority rights among the people and those entrusted with enforcement of law were also not fully sensitized to such issue.[8]

(عدالت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے عملی کی وجہ (اقلیتوں کے حقوق سے متعلق) قوانین سے آگاہی نہ ہونا ہے اور عوام کو بھی عموماً اقلیتوں کے حقوق کا شعور نہیں ہے۔ مزید یہ کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے کماحقہ اس کی نزاکتوں سے واقف بھی نہیں ہیں۔)

عدالت عظمی کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ نہ صرف عوام بلکہ قانون نافذ کرنے والے اداروں میں بھی اقلیتوں کے حقوق سے متعلق قوانین کا شعور نہیں ہے، یہی وجہ کہ بیش تر مسائل اسلام کی حقیقی تعلیمات کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ مذہبی آزادی کا حق

عدالت نے عقیدے اور مذہب کی آزادی کی تعریف ان الفاظ میں کی:

> By freedom of religion and belief is meant the right of a person to follow a doctrine or belief system which, in the view of those who profess it, provides spiritual satisfaction.[9]

8– P.L.D. 2014 (1), S.C., 713.

9– Ibid, 716.

(وہ عقائد جنھیں کوئی گروہ مانتا ہے اور وہ اسے روحانی تسکین فراہم کرتے ہیں، انھیں اپنانے اور اختیار کرنے کا مکمل حق حریت فکر اور حریت عقیدہ کہلاتا ہے۔)

عدالت نے اقلیتوں کے لیے مکمل مذہبی آزادی (Full Religious Liberty) کے حق کو تسلیم کرتے ہوئے قائد اعظم محمد علی جناح کے چودہ نکات، تحریک پاکستان کے قائدین کے بیانات، بنیادی حقوق، اقوام متحدہ کے چارٹر اور دستور کے آرٹیکل ۲۰ کا بہ طور خاص ذکر کیا۔[10]

اسلام دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اپنے مذہب کو اختیار کرنے کی مکمل آزادی دیتا ہے اور کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ پیرا ۲۵۱ میں ہے:

> Islam does not compel people of other faiths to convert. It has given them complete freedom to retain their own faith and not to be forced to embrace Islam. This freedom is documented in both The Holy Quran and the Prophet teachings known as Sunnah… And God hears and knows all things.[11]

(اسلام دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسلام قبول کریں بلکہ وہ انھیں اپنے مذہب کو اختیار کرنے کی مکمل آزادی دیتا ہے اور کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسلام قبول کرے۔ اس آزادی کا ثبوت قرآن و سنت دونوں میں ہے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾[12] (اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں۔) ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ڐ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾[13] (دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لیے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو کبھی نہ ٹوٹے گا، اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔)

مذہبی آزادی کے حق سے متعلق عدالت عظمیٰ کے نقطۂ نظر کا قرآن و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں تجزیہ

اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو جو نمایاں حقوق حاصل ہیں، ان میں عقیدے اور مذہب کی آزادی

10– Ibid, 714.

11– Ibid, 722.

۱۲– القرآن، ۱۰: ۹۹۔

۱۳– القرآن، ۲: ۲۵۶۔

سرفہرست ہے یہ آزادی انھیں قرآن کریم نے دی ہے: ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾[۱۴] (دین قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں)۔ مسلمانوں کے دور حکومت میں محض اس بنیاد پر کسی کو قتل نہیں کیا گیا کہ وہ غیر مسلم تھا۔ معروف عالم دین مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں: "میں دنیا کے مؤرخوں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ہزار سال سے زیادہ طویل مدت میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمان حکومتیں قائم ہوتی رہی ہیں، کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے کہ غیر قوم کے کسی فرد کو حکومت نے محض اس لیے قتل کر دیا ہو کہ وہ مسلمان نہیں ہے یا کسی کو مجبور کیا گیا ہو کہ وہ اپنا موروثی مذہب کو ترک کر دے..."[۱۵]

قدیم فقہا اور معاصر مسلم اہل علم کا موقف یہی ہے کہ غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حوالے سے دونوں کی تعبیرات میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ قرآن مقدس کی مذکورہ آیت کے تحت معروف مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں:

يقول تعالى: { لا إِكْرَاهَ فِي الدِّين } أي: لا تكرهوا أحدًا على الدخول في دين الإسلام فإنه بين واضح جلي دلائله وبراهينه لا يحتاج إلى أن يكره أحد على الدخول فيه، بل من هداه الله للإسلام وشرح صدره ونور بصيرته دخل فيه على بينة، ومن أعمى الله قلبه وختم على سمعه وبصره فإنه لا يفيده الدخول في الدين مكرها مقسورًا.[۱۶]

(اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ یعنی دین اسلام میں داخل کرنے میں کسی پر کسی قسم کی زبردستی نہیں کرو، کیوں کہ یہ دین روز روشن کی طرح واضح ہے۔ کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس دین میں داخل ہو بلکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس دین کی ہدایت دے دی اور اس کے سینے کو کھول دیا اور اسے نور بصیرت حاصل ہو گیا تو وہ اس میں دلیل کی بنیاد پر داخل ہو جائے گا۔ البتہ وہ شخص جسے اللہ نے اندھا کر دیا ہو اور اس کی آنکھوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہو تو اسے دین اسلام میں زبردستی داخل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔)

امام قرطبی لکھتے ہیں: "فأما سائر أنواع الكفر متى بذلوا الجزية لم نكرههم على الإسلام سواء كانوا عربا أم عجما قريشا أو غيرهم."[۱۷] (کفر کی جتنی صورتیں بھی ہیں اگر کوئی شخص

۱۴- نفس مصدر۔

۱۵- مناظر احسن گیلانی، "مسلمانوں کی حکومت میں غیر مسلم اقوام"، **معارف**، اعظم گڑھ، ۶۵: ۶ (جون ۱۹۵۰ء)، ۴۱۴-۴۱۵۔

۱۶- عمادالدین اسماعیل ابن کثیر، **تفسير القرآن العظيم** (بيروت: مؤسسة الكتب الثقافية، ۱۹۶۶ء)، ۱: ۲۹۴۔

۱۷- ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی، **الجامع لأحكام القرآن** (بيروت: دار المعرفة، ۱۹۸۸ء)، ۳: ۱۸۱۔

جزیہ ادا کر دے تو ہم دین میں داخل ہونے پر کسی کو مجبور نہیں کریں گے، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، قریشی ہو یا کوئی اور۔)

تفسیر المنار کے مصنف لکھتے ہیں: "لِأَنَّ الْإِيمَانَ – وَهُوَ أَصْلُ الدِّينِ وَجَوْهَرُهُ – عِبَارَةٌ عَنْ إِذْعَانِ النفْسِ، وَيَسْتَحِيلُ أَنْ يَكُونَ الْإِذْعَانُ بِالْإِلْزَامِ وَالْإِكْرَاهِ، وَإِنَّمَا يَكُونُ بِالْبَيَانِ وَالْبُرْهَانِ؛ وَلِذَلِكَ قَالَ– تَعَالَى – بَعْدَ نَفْيِ الْإِكْرَاهِ : قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ." [۱۸] (چوں کہ ایمان جو کہ دین کا اصل جوہر ہے وہ نام ہے سر تسلیم خم کرنے کا اور یہ ناممکن ہے کہ کسی آدمی کو زبردستی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اطاعت تو دلیل کی بنیاد پر کی جاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جبر کی نفی کے بعد فرمایا: کہ ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے۔)

مفسرین کے مذکورہ بالا اقوال سے بالکل واضح ہے کہ اسلام نے عقیدے اور مذہب کی مکمل آزادی دی ہے اور اس لحاظ سے کسی جبر کا تصور بھی نہیں ہے۔

نقد و تبصرہ: اقلیتوں کی طرف سے اسلامی تعلیمات کے حوالے سے اس نوع کے خدشات کہ اسلامی دستور کی تدوین و اجرا اور ریاستی اداروں کی اسلامی تشکیل کے نتیجے میں ان کے مذہبی اور شرعی حقوق پامال ہوں گے اور شریعت کی بالادستی کی صورت میں ریاست کے شہریوں کے حقوق سے متعلق عصرِ جدید کے معیارات کی نفی ہو گی، یہ محض دینی احکام سے بے خبری اور لاعلمی کا نتیجہ ہیں؛ کیوں کہ اسلامی حکومت میں اقلیتوں کو جو نمایاں حقوق حاصل ہیں ان میں عقیدے اور مذہب کی آزادی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی بھی حکم ران کو غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت کا حق حاصل نہیں ہے۔

۳- مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے تشدد اور تعصبات کا پیدا ہونا

عدالت عظمیٰ نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا ہے کہ تمام مذاہب کا مقصد انسانیت کو فروغ دینا اور مذہبی تعصبات کو مٹانا ہے لیکن بعض مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے تشدد اور تعصبات پیدا ہوتے ہیں:

> One of the foundational aims of all the major religions in the world has been to eradicate this bias and to preach humanism. However, in practice on account of misinterpretation of some of the religious tenets, religion instead of liberating human being from these curses of bias have enslaved them

---

۱۸- محمد رشید رضا، **تفسیر المنار** (قاہرہ: الهيئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۹۰ء)، ۳: ۳۱۔

which has resulted in violence and human misery.[19]

(دنیا کے تمام بڑے مذاہب کا بنیادی مقصد انسانیت کو فروغ دینا اور مذہبی تعصبات کو ختم کرنا ہے، لیکن ان تعصبات سے نجات دلانے کی بجائے عملاً بعض مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے انسان کو ان تعصبات کا اسیر بنایا گیا ہے جس کا نتیجہ تشدد اور انسانی خستہ حالی کی صورت میں بر آمد ہوا ہے۔)

علماے کرام کا بائیس نکاتی فارمولا جسے ان ۳۳ دینی دانش وروں اور مختلف مذہبی اور فقہی پس منظر رکھنے والے جید علما نے متفقہ طور پر تیار کیا تھا، یہ دستاویز جدید اسلامی ریاست کے تمام تصورات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق سے متعلق بڑی جامع بات کی گئی ہے: "غیر مسلم شہریوں کو قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے مذہب وعبادت، تہذیب وثقافت اور مذہبی تعلیم کی پوری آزادی ہو گی۔ انھیں اپنے شخصی معاملات کے فیصلے اپنے مذہبی قانون یا رسم ورواج کے مطابق کرانے کا حق حاصل ہو گا۔"[۲۰]

قرار داد مقاصد اور علماے کرام کے بائیس نکاتی فارمولے نے اسلامی معاشرے اور بالخصوص اسلامی ریاست سے متعلق ان بہت سی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے جن کا ذکر مقالے کے آغاز میں کیا گیا ہے۔

نقد و تبصرہ: عدالت عظمیٰ کا یہ تاثر درست معلوم نہیں ہوتا کہ بعض مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے تشدد اور تعصبات پیدا ہوتے ہیں، کیوں کہ اسلامی تعلیمات تو غیر مسلموں کے ساتھ برداشت، رواداری اور ان کے حقوق کی ادائی کی تاکید کرتی ہیں۔ اس کی واضح دلیل علما کا وہ بائیس نکاتی فارمولہ ہے جس میں تمام مکاتب فکر کے جید علما نے جدید اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق سے متعلق تفصیل سے یہ بات کی ہے کہ انھیں قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی پوری آزادی ہو گی۔

۴۔غیر مسلم کی جان کا تحفظ

عدالت نے اقلیتوں کی جان کے تحفظ کو ریاست کا بنیادی فرض قرار دیا ہے اور قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی استدلال کیا گیا، مثلاً فیصلے کے پیرا نمبر ۲۴ کے تحت ہے:

When we think of such incidents of violence in the name of faith, we are always reminded of a quote from the Holy Quran wherein such acts have not

---

19- PLD, 2014, 724.

۲۰۔ محمود احمد غازی، **پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل** (اسلام آباد: شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی یونی ورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۲ء)، ۱۷۔

only been condemned but have been classified as crimes against humanity. It ordains...in the earth.[21]

(جب ہم مذہب کی بنیاد پر اس قسم کا تشدد دیکھتے ہیں، تو ہمیں اس موقع پر قرآن کا یہ حکم ذہن میں رکھنا چاہیے جس میں نہ صرف اس قسم کے تشدد کی مذمت کی گئی ہے بلکہ اسے انسانیت کے خلاف جرم قرار دیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے:﴿مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ۛۚ كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًۢا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَ﴾[۲۲] (بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو، قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کر دیا۔ اور ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی ان میں اکثر لوگ زمین میں ظلم وزیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے۔)

غیر مسلم کی جان کا تحفظ: قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں

اسلامی ریاست ایک غیر مسلم شہری کو بھی اسی طرح جان کا تحفظ فراہم کرنے کی پابند ہے جس طرح کہ ایک مسلمان کی جان کو تحفظ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ ۙ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ﴾[۲۳] (جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ)۔ اس کی تفصیل ابو بکر جصاص[۲۴] بیان کرتے ہیں کہ "مقتول ذمی کے بدلے میں قاتل مسلمان کا قتل واجب ہے کیوں کہ عام حقوق میں ایک ذمی اور مسلمان کے مابین کوئی فرق نہیں ہے اور قصاص کے واجب ہونے کا حکم سب میں عام ہے۔" اسی طرح یہ حکم بھی عام ہے:﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى﴾[۲۵] (مقتولین کے بارے میں تم پر قصاص واجب کیا گیا ہے)۔ ابو بکر جصاص مذکورہ آیت

21- PLD, 2014, 722.

۲۲- القرآن،۵: ۳۲۔

۲۳- القرآن، ۵: ۴۵۔

۲۴- "وَكَتَبْنا عَلَيْهِمْ فِيها أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ" يقتضى عمومه قتل المؤمن بالكافر لأن شريعة من قبلنا من الأنبياء ثابتة في حقنا ما لم ينسخها الله تعالى على لسان رسوله صلّى الله عليه وسلم وتصير حينئذ شريعة النبي صلّى الله عليه وسلم۔ دیکھیے: ابو بکر احمد بن علی الرازی جصاص، **أحكام القرآن**،(لاہور: سہیل اکیڈمی،۱۹۸۰ء)،۱: ۴۵۲۔

۲۵- القرآن ،۲: ۱۷۸۔

کی وضاحت میں لکھتے ہیں: ”أن النبي صلّى اللہ علیه وسلم أقاد مسلما بذمي وقال أنا أحق من وفى بذمته.“ (نبی ﷺ نے ذمی کے بدلے مسلمان سے قصاص لیا اور فرمایا: میں اس ذمے کو پورا کرنے کا زیادہ حق دار ہوں۔) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے عمل سے بھی ثابت ہے کہ انھوں نے ذمی کے بدلے مسلمان سے قصاص لیا۔(۲۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ذمیوں کی جان ومال کو مسلمانوں کی جان ومال کے برابر قرار دیا۔ کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو آپ اس کے بدلے مسلمان کو قتل کرا دیتے تھے۔(۲۷)

حضرت عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ سے نقل کرتے ہیں: ”مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا“(۲۸) (جس نے کسی معاہد کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوش بو نہیں سونگھ پائے گا حالاں کہ جنت کی خوش بو چالیس سال کی دوری سے بھی محسوس ہوتی ہے۔)

ایک دوسری حدیث میں ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے منع کیا گیا ہے: ”أَلاَ مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.“(۲۹) (سنو، جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا، یا اس کا حق مارا، اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے فریق بنوں گا۔)

۵-عبادت گاہوں کا قیام، تحفظ اور تبلیغ واشاعت مذہب

عبادت گاہوں کے قیام اور تحفظ سے متعلق درج ذیل آیت کو عدالت نے بہ طور دلیل پیش کیا ہے: ﴿الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

۲۶- جصاص، **أحكام القرآن**، ۱: ۱۷۴۔

۲۷- نفس مصدر۔

۲۸- محمد بن اسماعیل البخاری، **الجامع الصحیح**، کتاب الجزیة و الموادعة (قاهرہ: دار الشعب، ۱۹۸۷ء)، ۴: ۱۲۰، رقم: ۳۱۶۶۔

۲۹- ابوداود، سلیمان بن الاشعث السجستانی، **سنن أبي داود**، کتاب الخراج، باب تعشیر أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارة (ریاض: دار السلام، ۲۰۰۹ء)، رقم: ۳۰۵۲۔

﴿لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾[۳۰] (یہ وہ ہیں جنھیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار صرف اللہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ روکتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجا گھر اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔)

اسی طرح فیصلے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے موقع پر دی گئی ان ہدایات کا حوالہ دیا گیا ہے جن میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت کی گئی، پھل دار درختوں کو کاٹنے اور گھروں کو منہدم کرنے سے روکا گیا اور عبادت میں مصروف لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اہل یروشلم سے وہ معاہدہ بھی بہ طور مثال پیش کیا گیا جس میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔[۳۱]

نقد و تبصرہ: عدالت عظمیٰ کے نزدیک غیر مسلموں پر تشدد کی وجہ مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح ہے، تاہم پورے فیصلے میں کسی جگہ کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں دی گئی ہے جس میں مذہبی عقائد کی ایسی غلط تعبیر و تشریح کی گئی ہو جو تشدد کا ذریعہ بنی ہو۔

اسلام کے عادلانہ نظام کی آغوش میں ہر مذہب، فکر اور عقیدہ رکھنے والے امن و سلامتی کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ قرآن مجید اقلیتوں کو روادارنہ ماحول مہیا کرتا ہے تاکہ وہ سکون اور اطمینان سے اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت گاہوں میں اپنی مخصوص عبادت کر سکیں۔ قرآن مجید ان کی عبادت گاہوں کی حرمت اور حفاظت کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا﴾[۳۲] (اگر اللہ اس کا انتظام نہ کرتا کہ ایک گروہ کی روک تھام دوسرے گروہ کے ذریعے ہوسکے تو (اور چیزیں تو ایک طرف) کسی قوم کی عبادت گاہ دنیا میں محفوظ نہ رہتی، خانقاہیں، گرجے، یہودیوں کے عبادت خانے اور مساجد جن میں خدا کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے سب کے سب ڈھائے جاچکے ہوتے)۔

۳۰۔ القرآن، ۲۲:۴۰۔

31- PLD, 2014, SC, 723.

۳۲۔ القرآن، ۲۲: ۴۰۔

یہ آیت مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں مسلمان بے بس اور مجبور ومظلوم نہ تھے۔ اب ان کے پاس قوت تھی، شوکت تھی، دبدبہ تھا۔ وہ مشرکین کو ہر قسم کا جواب دے سکتے تھے، لیکن قرآن مجید رواداری، تحمل اور برداشت کی ایسی شعوری آگہی فراہم کرتا ہے جس کی اساس پر تمام مذاہب کی عبادت گاہوں، مقدس مذہبی مقامات اور مذہبی جذبات واحساسات کا احترام پیدا ہوتا ہے اور ایک بھرپور، روادار معاشرے کی طرف رہ نمائی ملتی ہے۔ وہ اپنی مذہبی رسوم ادا کرنے میں آزاد ہوں گے۔ ان کے عبادت خانے منہدم نہیں کیے جائیں گے اور اپنی مذہبی ضروریات کے لیے نئی عبادت گاہیں بھی بناسکیں گے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان حکم رانوں نے صرف یہی نہیں کہ پرانی عبادت گاہیں محفوظ رکھیں اور نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت دی، بلکہ انھوں نے عبادت گاہوں کے متعلق گذشتہ عہد کی وقف جائیدادیں بحال رہنے دیں، اور پجاریوں اور مجاوروں کے مقررہ روزینے برقرار رکھے۔ صحابہ کرام یہ بھی مد نظر رکھتے تھے کہ کسی راہب کے معبد اور کسی مذہب کی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچے۔ بعض معاہدوں کی رو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمت کا انتظام بھی اسلامی بیت المال کے ذمے تھا۔ مذہبی آزادی سے متعلق اسلام کا اصول ان الفاظ سے بھی ظاہر ہے جو نبی کریم ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو لکھ کر دیے: "وجعل لهم ذمة الله وعهده، وأن لا يفتنوا عن دينهم ومراتبهم فيه"[۳۳] (انھیں اللہ کے عہد اور ذمے میں دے دیا گیا اور (فرمایا کہ) انھیں ان کے مذہب اور مناصب کے بارے میں کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی۔) حیرہ کے معاہدہ میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ ان کے گرجے اور کلیسے منہدم نہیں کیے جائیں گے۔[۳۴] معروف سکالر محمود فتح اللہ حقوق أهل الذمة[۳۵] کے تحت لکھتے ہیں:

"جواز بقائهم في بلاد الإسلام وتقريرهم على ذلك باستثناء الأماكن التي لها أحكام خاصة تمنع من بقاء الكفار فيها كالحرم المكي والجزيرة العربية" (اہل ذمہ کو یہ حق حاصل ہے کہ انھیں اسلامی ممالک میں رہنے دیا جائے، البتہ وہ مقامات جن کے احکام خاص ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، مثلاً حرم مکی اور جزیرہ العرب کے احکام استثنائی نوعیت کے ہیں۔)

۳۳- احمد بن یحییٰ بن جابر بلاذری، **فتوح البلدان** (قاہرہ: مطبعة لجان البيان العربي، ۱۹۷۸ء)، ۱: ۷۶۔

۳۴- ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم، **کتاب الخراج** (بیروت: دار المعرفة والنشر، ۱۳۹۹ھ)، ۸۴۔

۳۵- وسیم محمود فتح اللہ، **الوجيز في أحكام أهل الذمة**، ۱: ۷-۹۔

”وجوب الكف عنهم وحمايتهم: لأنهم يصبحون جزءًا من الدولة الإسلامية ويتكفل المسلمون بأمنهم وحمايتهم.“(اہل ذمہ کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ انھیں تحفظ دیا جائے اور کوئی تکلیف نہیں دی جائے کیوں کہ وہ اسلامی حکومت کا حصہ ہیں اور مسلمان ان کی حفاظت کے ضامن ہیں۔)

”عدم التعرض لكنائسهم ولخمورهم ولخنازيرهم ما لم يُظهروها“ (ان کے حقوق میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کے گرجے اور کلیسے منہدم نہیں کیے جائیں گے، انھیں شراب اور خنزیر سے منع نہیں کیا جائے گا بہ شرطے کہ وہ کھلے عام ایسا نہ کریں۔)

حضور اکرم ﷺ کی پوری حیات طیبہ صبر وبرداشت سے عبارت ہے۔ مکی دور کے تیرہ سال تو سراپا صبر وبرداشت ہی ہیں، مدنی دور بھی صبر وبرداشت اور پرامن بقاے باہمی کے معاہدات اور واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ میثاق مدینہ اور نجران کے عیسائیوں کے ساتھ معاہدہ مسلمانوں اور دوسرے مذاہب والوں کے درمیان پر امن بقاے باہمی کی روشن مثالیں ہیں، بلکہ بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے رہ نما اصول فراہم کرتے ہیں۔

میثاق مدینہ میں یہ قرار دیا گیا کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے، یہودی اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر؛ اس معاہدے کے شرکا کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں؛ مظلوم کی مدد کی جائے گی؛ اس معاہدے کے سارے شرکا پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت وخون حرام ہو گا؛ اور کسی جھگڑے اور فساد کی صورت میں آخری فیصلہ حضرت محمد ﷺ کا ہو گا۔[۳۶]

میثاقِ مدینہ میں یہودیوں کے مذہبی حقوق کے تحفظ، مذہبی رواداری اور ادائے حقوق پر مشہور مستشرق ولیم میور (William Muir) ان الفاظ میں لکھتا ہے: ”آپ ﷺ مختلف العقائد اور باہم منتشر اقوام کو متحد و یکجا کرنے میں بڑی مہارت کے ساتھ کام یاب ہوئے اور آپ ﷺ ایک ایسی ریاست اور معاشرہ کے قیام میں کام یابی سے ہم کنار ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔“[۳۷]

۳۶- ڈاکٹر حمید اللہ میثاق مدینہ کے حوالے سے لکھتے ہیں: دفعہ ۲۳۔ وأنكم مهما اختلفتم فيه من شيئ فان مرده إلى الله وإلى محمد (حمید اللہ، **مجموعة الوثائق السياسية في العهد النبوي والخلافة الراشدة** (بيروت: دارالإشار، ۱۹۶۹ء)، ۴۴؛ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، **الرحیق المختوم** (لاہور: المكتبة السلفية، ۱۴۰۴ھ)، ۲۶۲- ۲۶۳۔

۳۷- سید امیر علی، **روح اسلام**، ترجمہ: محمد ہادی حسین (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۵ء)، ۵۸۔

اسماعیل راجی الفاروقی(۳۸) کے نزدیک غیر مسلموں کی حیثیت اور ان کے حقوق کی تعیین کے سلسلے میں میثاق مدینہ ایک اہم ترین دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس دستاویز کی روسے غیر مسلم (ذمی) بھی اسلامی ریاست کے شہری ہوسکتے ہیں۔ مسلمان اس بات کے پابند تو ہیں کہ وہ اپنے دین کو غیر مسلموں کے سامنے پیش کریں انھیں اختیار ہے کہ وہ اسلام کی دعوت کو قبول کریں یا نہ کریں۔ قرآن حکیم نے اس سلسلے میں یہ بات قطعی طور پر صاف اور واضح کر دی ہے کہ: "دین میں کوئی جبر نہیں۔"(۳۹) مسلمانوں کو صرف حکمت و موعظت اور دل نشین دلائل و براہین کے ساتھ دعوتِ دین کا حکم ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

> Islam has acknowledged the non-believer on three distinct levels: the first is that of humanism... The second is the level of revelational universalism.(40)

(اسلام غیر مسلموں کو تین مختلف سطحوں پر تسلیم کرتا ہے۔ پہلی چیز اسلام کی آفاقی انسان دوستی ہے (یعنی بہ طور انسان اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو کسی بھی مذہب کو اختیار کرنے اور اس پر عمل کی مکمل آزادی ہے...) دوسری سطح الہامی آفاقیت ہے۔)

اسلام کا دعویٰ ہے کوئی قوم ایسی نہیں ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی یا رسول نہ مبعوث کیا گیا ہو۔ تمام انبیا و رسل نے یہی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور انسانوں کو چاہیے کہ وہ اسی کی عبادت کریں۔ ڈاکٹر راجی کی تقسیم کے مطابق تیسری سطح پر اسلام خود کو یہودیت و مسیحیت کے الہامی پیغام سے مماثل بتاتا ہے۔ اس لحاظ سے اسلام غیر مسلموں کی جداگانہ مذہبی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے اور اس دنیا میں ہر غیر مسلم کو مذہبی عزت و احترام عطا کرتا ہے بلکہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کا بھی حق حاصل ہے۔ اگر کسی سرکشی اور بغاوت کا ارتکاب نہیں ہوتا تو غیر مسلموں کی نہ تو تعذیب ہوسکتی ہے اور نہ ان کے حق تبلیغ و اشاعت مذہب پر کوئی پابندی عائد کی جاسکتی ہے۔(۴۱)

۳۸۔ اسماعیل راجی کا شمار عصرِ جدید کے ان چند مسلم دانش وروں میں ہوتا ہے جنھوں نے مغرب میں مکالمہ بین المذاہب کو علمی بنیادوں پر استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ مغرب میں آباد مسلم اقلیتوں کے علاوہ مسلم ممالک میں غیر مسلموں کا تحفظ بھی ان کی جدوجہد کا ایک اہم عنوان رہا ہے۔

۳۹۔ القرآن، ۲: ۲۵۶۔

40- Ismail al-Faruqi, "Rights of Non-Muslims under Islam: Social and Cultural Aspects", *Journal Instituteof Muslim Minority Affairs*, 1: 1, (1979), 92-93.

41- Al-Faruqi, "Rights of Non-Muslims under Islam", 97.

اس تفصیل سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ غیر مسلموں پر تشدد کی وجہ مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح نہیں ہے، جیسا کہ عدالت عظمیٰ کی طرف سے دعویٰ کیا گیا ہے بلکہ مذہبی عقائد کی مذکورہ تعبیر و تشریح کی روشنی میں کوئی بھی مذہب، فکر اور عقیدہ رکھنے والے کسی بھی اسلامی ملک میں امن و سلامتی کی زندگی گزار سکتے ہیں اور وہ اپنے اپنے عقیدے کے مطابق عبادت گاہوں میں اپنی مخصوص عبادت کر سکتے ہیں۔

عدالت کی طرف سے یہ حکم بھی دیا گیا کہ نفرت انگیز مواد اور تقریروں پر پابندی لگائی جائے، کوٹے کے مطابق اقلیتوں کو ملازمتیں دی جائیں اور اقلیتوں کے حقوق کی قومی سطح کی ایک کونسل بنائی جائے جو دستور میں دیے گئے حقوق پر عمل درآمد پر نظر رکھے اور اس کی نگرانی (Monitor) کرے۔

عدالت عظمیٰ کے یہ دونوں احکام درست سمت میں اہم قدم ہیں؛ تاہم یہ اقدامات انتظامی نوعیت کے ہیں، اگر انتظامیہ ان پر عمل درآمد کرے تو غیر مسلم اقلیتوں کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

۶۔ کوٹے کے مطابق اقلیتوں کی ملازمتیں

عدالت کی طرف سے یہ حکم بھی دیا گیا کہ کوٹے کے مطابق اقلیتوں کو ملازمتیں دی جائیں۔ جہاں تک اقلیتی افراد کے ملازم ہونے کا تعلق ہے تو مذہب اسلام، دستور اور ملکی قانون ان کے ساتھ کسی امتیازی رویے کی اجازت نہیں دیتے اور آئین و قانون کے مطابق ملازمتوں پر تقرری کے وقت پاکستان میں نسل، رنگ بالخصوص مذہب کی بنا پر امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ پابندی دستور کے اندر موجود ہے جس پر عشروں سے عمل ہو رہا ہے۔ علاقائی پس ماندگی یا دیگر اسباب کے باعث اگر کسی جگہ اقلیتی نمائندگی کم رہی یا نہ ہو سکی تو اس کی ذمہ داری ریاست پر عائد نہیں ہوتی۔ کم تعداد میں اقلیتی افراد کے ملازم ہونے کا سبب مذہبی عدم رواداری، امتیازی سلوک یا ان جیسے منفی رویے نہیں ہیں، ملک کے تمام افراد تمام ممکنہ ملازمتوں کے لیے یکساں طور پر اہل ہوں تو اپنی آبادی کے تناسب سے اڑھائی تین فی صد اقلیتی افراد کا ملازمتوں میں آ جانا بدیہی امر ہے۔ بلوچستان کے رہائشی افراد فوج، سول سروس اور دیگر وفاقی اداروں میں اپنی آبادی کے تناسب سے بہت کم ہیں۔ اس کی وجہ ان کے ساتھ عدم رواداری یا امتیازی سلوک نہیں ہے بلکہ جدید شہری سہولتوں سے کوسوں دور یہ باشندے تعلیم جیسی دولت سے بڑی حد تک نا آشنا ہیں۔ اس تعلیمی پس ماندگی کے سبب وہ دوسرے صوبوں کی نسبت ملازمتوں میں کم ہیں۔ یہی صورت حال جنوبی پنجاب اور باقی صوبوں کے پس ماندہ علاقوں میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔

۷- تعلیمی نصاب میں تبدیلی

عدالت کی طرف سے اس بات کا بھی حکم دیا گیا کہ سکول اور کالج کی سطح پر جو تعلیمی نصاب ہے اس میں بقائے باہمی کے اصولوں اور رواداری کو فروغ دینے والا مواد شامل کیا جائے تاکہ کثیر الثقافتی معاشرے کا تصور راسخ ہو سکے:

> Appropriate curricula should be developed at school and college levels to promote a culture of religious and social tolerance.[42]

(سکول اور کالج کی سطح پر ایسا مناسب نصاب بنایا جائے جو سماجی برداشت اور مذہبی ثقافت کو فروغ دے سکے۔)

عدالت نے عقیدے اور مذہب کی بنیاد پر امتیاز کے خاتمے کے حوالے سے اقوام متحدہ کے منشور کا بھی حوالہ دیا:

> The United Nations resolved that "the child shall be protected from any form of discrimination on the ground of religion or belief.[43]

(اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق عقیدے اور مذہب کی بنیاد پر کسی بھی بچے سے امتیازی سلوک نہیں ہو گا۔)

عدالت کے اس حکم کی تعمیل کے لیے حکومت پنجاب ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی طرف سے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی، جس کا مقصد یہ بتایا گیا:

> To make recommendations for the development of appropriate curricula at college level to promote a culture of religious and social tolerance in view of judgment passed by the Honorable Bench of Supreme Court of Pakistan in S.M.C.NO.1 & 2 of 2014 etc.[44]

(عدالت عظمی کے فیصلے کی تعمیل کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو کالجز کی سطح کے لیے ایک ایسا مناسب نصاب بنانے کی سفارشات کرے گی جس سے سماجی برداشت اور مذہبی ثقافت کو فروغ دیا جا سکے۔)

ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی ہدایات کی روشنی میں تین رکنی کمیٹی نے قومی اور صوبائی سطح کے نصاب میں اصلاحات کرنے کے لیے درج ذیل سفارشات تجویز کیں:

- Students will learn to interpret religion not myopically and in the spirit of Islamic Liberalism which says that "message of all faiths is common and for the benefit of the entire humanity".

42- PLD, 2014, SC, 727.

43- Ibid.

44- Government of Punjab Higher Education Department, Notification No. DS(SI)77/2014. Dated 28th August, 2014.

- Students will learn that they are "different worshippers of a peaceful God."
- They will learn to act to upon the dictum "Love God and your neighbor."
- Students will learn that "The spirit of pluralism reflected in the Holy Quran constantly points out that Muhammad (PBUH) had not come to cancel that older religions, to contradict their Prophets or to start a new faith. They will understand that the message of Muhammad (PBUH) is "the same as that of Abraham, Moses, David, Solomon, or Jesus." (45)

(نصاب کی تشکیل جدید اس طرح کی جائے کہ طلبہ میں مذہب کی تعبیر کرتے ہوئے مذہبی تعصب پیدا نہ ہو بلکہ وہ اس سے لبرل اسلام سیکھیں جو یہ کہتا ہے کہ تمام مذاہب کا پیغام ایک ہی ہے اور وہ تمام انسانیت کے فائدے کے لیے ہے۔

اس سے طلبہ یہ سیکھیں گے کہ وہ مختلف مذاہب کے پوجنے والے ایک ہی امن والے خدا کی پرستش کرتے ہیں۔

وہ اس سے اس ضابطے پر عمل کرنا سیکھیں گے کہ خدا اور اپنے پڑوسی سے محبت کرو۔

وہ یہ سیکھیں گے کہ قرآن میں کثیر الثقافتی معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے اور نبی اکرم ﷺ پہلے مذاہب کو منسوخ کرنے یا ان کے خلاف تعلیم دینے یا نئے مذہب کی بنیاد رکھنے نہیں آئے بلکہ وہ یہ جانیں گے کہ ان کا پیغام بھی وہی ہے جو ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داود علیہ السلام، سلیمان علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام کا پیغام تھا۔)

عدالت کی ہدایت تھی کہ سکول اور کالج کی سطح پر جو تعلیمی نصاب ہے اس میں رواداری، بقائے باہمی کے اصولوں اور رواداری کو فروغ دینے والا مواد شامل کیا جائے تاکہ کثیر الثقافتی معاشرے کا تصور راسخ کیا جا سکے، لیکن ہائیر ایجوکیشن کمیشن کی ہدایات کی روشنی میں تین رکنی کمیٹی نے قومی اور صوبائی سطح کے نصاب میں جو اصلاحات تجویز کیں ان کا اس بنیادی تبدیلی سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ کمیٹی نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ عدالت کے فیصلے سے نصاب کے متعلق چند جملے لے کر لفظ بہ لفظ ان کو نقل کر دیا ہے اور اس بات کا اضافہ کر دیا ہے کہ نصاب کی تشکیل جدید اس طرح کی جائے کہ طلبہ اس سے لبرل اسلام سیکھیں۔ باقی تمام مواد فیصلے سے نقل کر کے خانہ پری

45- "Recommendations for Revision of Curriculum of Tolerance, Memo No.1210, dated 29.09.2014.

کی گئی ہے۔

نقد و تبصرہ: نصاب کے متعلق یہ جملے عدالت کے فیصلے سے لفظ بہ لفظ صفحہ نمبر ۲۹، ۳۰ سے نقل کیے گئے ہیں؛ کمیٹی کا اس کے علاوہ کوئی کام نظر نہیں آتا؛ جب کہ تعلیمی نصاب کسی قوم کی تہذیب و تمدن، مذہب و ثقافت، افکار و نظریات اور اخلاقی قدروں کا آئینہ دار ہوتا ہے، جس کی ان سفارشات کے اندر دور تک جھلک نہیں ملتی۔ نصاب کی اہمیت یہ ہے کہ وہ ذہن سازی کرتا ہے، وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جس پر مستقبل کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ۹ فروری ۱۹۱۱ء کو علامہ اقبال نے ایم اے او کالج علی گڑھ میں ایک خطبے کے دوران فرمایا:

> یہ میرا افسوسناک تجربہ ہے کہ مسلمان طالب علم ان عمرانی، اخلاقی، اور سیاسی نظریات سے ناواقف ہے جو اس قوم کے ذہن پر چھارہے ہیں۔ وہ روحانی طور پر مردہ ہے، اگر موجودہ صورت حال کو مزید بیس سال بر قرار رہنے دیا گیا تو وہ روح جو قدیم اسلامی تمدن کے چند نمائندوں کے سبب زندہ ہے وہ ہماری قوم کی زندگی سے بالکل مفقود ہو جائے گی۔ وہ لوگ جنھوں نے تعلیم کا یہ اصول بنایا کہ مسلمان بچے کی تعلیم کی ابتدا قرآن مجید سے ہو، خواہ وہ اسے سمجھتا ہو یا نہیں، وہ ہمارے مقابلہ میں ہماری قوم کی حقیقت سے زیادہ بہتر باخبر تھے۔ ہماری قومی سرگرمیوں کی محرک صرف معاشی اغراض نہیں ہونی چاہییں، قوم کی وحدت کی حفاظت اور قومی زندگی کا تسلسل فوری اغراض کی تکمیل کے مقابلہ میں زیادہ اعلیٰ مقصد ہے۔ میرے نزدیک ایک قلیل مسلم گروہ جو حقیقی اسلامی سیرت کا حامل ہو کہیں زیادہ اہم قومی سرمایہ ہے بہ نسبت اس آزاد خیال گریجویٹ کے جس کے نزدیک اسلام قابل عمل نظریہ حیات نہیں ہے۔ (۴۶)

۸- سماجی اور مذہبی رواداری

عدالت نے اس بات پر بھی زور دیا کہ اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سماجی اور مذہبی سطح پر رواداری پیدا کرنے کے لیے حکومت خصوصی اقدامات کرے۔

اسلامی تعلیمات میں اعتدال اور رواداری، وسعت ظرفی، سچائی اور عدل و انصاف کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور اس کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ افراط و تفریط، شدت، غلو، انتہاپسندی اور فرقہ وارانہ تعصب ہمیشہ عالم گیر فساد کا باعث رہا ہے، اور اس کے نتیجے میں تنگ نظری، تعصب و تشدد اور سوچ کا غیر فطری انداز جنم لیتا ہے۔

آج بد قسمتی سے امن و آشتی، محبت و ہم آہنگی اور رواداری کی مذکورہ قرآنی تعلیمات کو بھلا کر چند افراد اور گروہ انتہاپسندی کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں۔ ان کے اس رویے اور طرز عمل سے اسلام کے ناقدین اور معترضین کو یہ کہنے کا موقع ملا ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب و ادیان اور معاشروں کے وجود کو گوارا نہیں کرتا۔ وہ ہر اس فکر

۴۶- **خطبات بیاد اقبال** (لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، ۱۹۸۴ء)، ۱۷۴۔

اور نظریے کو مٹادینا چاہتا ہے جو اس کے نظریے سے متصادم ہو، جب کہ امر واقع یہ ہے کہ اسلام کسی بھی فرد اور معاشرے پر اپنا عقیدہ اور نظریہ بہ زور مسلط نہیں کرتا۔ دین میں کوئی جبر نہیں۔ رواداری اور پرامن بقاے باہمی اسلامی تہذیب وتمدن کے اہم ستون ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد یہود و نصاریٰ کے ساتھ معاہدات کیے، جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلام نہ صرف غیر مسلموں کے وجود وبقا کے حق کو تسلیم کرتا ہے بلکہ انسانیت کی فلاح و بہبود اور مشترک مفاد کے لیے ان کے ساتھ تعاون کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

اس حوالے سے پائی جانے والی غلط فہمیوں اور شبہات کو رفع کرنے کے لیے اسلامی تہذیب میں رواداری، برداشت اور احترام انسانیت کی اقدار کو نمایاں کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ عمومی مشاہدہ یہی ہے کہ معاملات و مقدمات میں ناانصافی کا بڑا سبب عموماً دو ہی چیزیں بنتی ہیں۔ ایک تو اپنا ذاتی، شخصی مفاد اور قرابت داروں کی رُورعایت، دوسرے کسی فریق کی عداوت و مخالفت۔ سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ﴾[۴۷] (اے ایمان والو عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے بنو اور اللہ کی خاطر سچی گواہی دینے والے بنو، گو وہ تمھارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے) ابن کثیر مذکورہ بالا آیت کے حصے: فَلا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا (پس خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا) کے تحت لکھتے ہیں: ”فلا يحملنكم الهوى والعصبية وبغْضَة الناس إليكم، على ترك العدل في أموركم وشؤونكم، بل الزموا العدل على أي حال ، كما قال تعالى: ولا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَنْ لا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى“[۴۸] (خواہش نفس، عصبیت اور لوگوں سے بغض کی وجہ سے اپنے معاملات میں ان سے ناانصافی نہ کرو بلکہ ہر حال میں ان سے انصاف کرو جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ولا يَجْرِمَنَّكُمْ... (کسی قوم کی عداوت آپ کو خلاف عدل کام پر آمادہ نہ کرے، انصاف سے کام لو، یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔)

اسی طرح سورۃ الحدید کی آیت ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ﴾[۴۹] (حقیقت یہ ہے کہ ہم نے اپنے

۴۷- القرآن،۴: ۱۳۵۔

۴۸- ابن کثیر، **تفسیر القرآن العظیم**،۲: ۴۳۳۔

۴۹- القرآن، ۵۷: ۲۵۔

پیغمبروں کو کھلی ہوئی نشانیاں دے کر بھیجا) میں بڑی صراحت سے بتایا گیا ہے کہ نہ صرف شریعت محمدی بلکہ تمام سابقہ شرائع اور آسمانی کتب کے نزول کا ایک ہی ہدف اور مقصود تھا اور وہ یہ کہ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسطِ یعنی سارے لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوجائیں۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہوئے مولانا مودودی نے لکھا ہے:"جو شخص "اسلام میں عدل ہے" کہتا ہے وہ حقیقت سے کم تر بات کہتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عدل ہی اسلام کا مقصود ہے اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ عدل قائم کرے۔"[۵۰]

اسلام کی اس وسیع الظرفی، کمال برداشت اور حد درجہ رواداری کے حوالے سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے ایک قابل ذکر نکتہ بیان کیا ہے۔ اپنی معروف کتاب **غير المسلمين في المجتمع الإسلامي** کی تیسری فصل میں تسامح فريد کا عنوان قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"ان التسامح الديني والفكري له درجات و مراتب: فالدرجة الدنيا من التسامح أن تدع لمخالفک حرية دينه وعقيدته ولا تجبره بالقوة على اعتناق دينک أو مذهبک...والدرجة الوسطى من التسامح ان تدع له حق الاعتقاد بمايراه من ديانة و مذهب ثم لا تضيق عليه بترک أمر يعتقد وجوبه."(دینی وفکری رواداری ونرمی کے کئی درجے اور مراتب ہیں۔ اس معاملے میں رواداری کا ادنیٰ ترین درجہ و مرتبہ یہ ہے کہ آپ اپنے مخالف کو اس کے دین اور عقیدے کی آزادی دے دیں اور اسے اپنے دین میں زبردستی داخل ہونے پر مجبور نہ کریں... درمیانے درجے کی رواداری یہ ہے کہ آپ اپنے مذہبی مخالف کو اس کے اختیار کردہ دین و مذہب میں اعتقاد رکھنے دیں اور پھر اسے نہ تو کوئی ایسا کام چھوڑنے پر مجبور کریں، جسے وہ ضروری سمجھتا ہے۔)[۵۱]

حضور اکرم ﷺ کا غیر مسلم رعایا سے حسن سلوک معلوم کرنے کے لیے یہ ایک ہی فرمان کافی ہے جو ابوداوٗد میں نقل ہوا ہے: "أَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا، أَوِ انْتَقَصَهُ، أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ، أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ"[۵۲] (خبردار! جس کسی نے معاہد پر ظلم کیا، اس کا حق مارا یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی یا اس سے کوئی چیز اس کی خوشی کے بغیر لی تو میں بہ روز قیامت اس کی طرف سے

۵۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، **معاشیات اسلام** (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء) ۳۷۹۔

۵۱۔ علامہ یوسف القرضاوی، **غير المسلمين في المجتمع الإسلامي** (قاہرہ: مكتبة وهبة، ۱۴۲۵ھ/۲۰۰۵ء)، ۷-۹۔

۵۲۔ ابوداود، **سنن أبي داود**، كتاب الخراج، باب تعشير أهل الذمة، رقم: ۳۰۵۲۔

مقدمہ لڑوں گا)۔

درمختار میں ہے: "وَيَجِبُ كَفُّ الاَذٰى عَنهُ وَتَحرمُ غِيبَتَه كَالمُسلِمِ"[۵۳] (اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جیسے مسلمان کی غیبت حرام ہے)۔ انھیں حبس بے جا میں نہ رکھا جائے۔ اور اس حق میں وہ مسلمان کے مساوی ہیں اور وہ گرفتار کیے جانے سے امن میں ہوں، سوائے اس کے کہ انھوں نے شریعت کے خلاف کسی جرم کا ارتکاب کیا ہو۔

نتائج بحث

اقلیتوں کے حقوق، حیثیت اور کردار کے حوالے سے جو نکات عدالت عظمی کی طرف سے اٹھائے گئے ہیں ان میں سے بعض تو انتظامی نوعیت کے ہیں، مثلاً اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے سماجی اور مذہبی سطح پر رواداری پیدا کرنے کے لیے خصوصی اقدامات، نفرت انگیز مواد اور تقریروں پر پابندی، اقلیتوں کے حقوق کی قومی سطح کی ایک کونسل بنانا، کوٹے کے مطابق ملازمتوں کو یقینی بنانا وغیرہ، لیکن بعض علمی اور فکری لحاظ سے نہایت اہمیت کے حامل ہیں مثلاً اقلیتوں کے حقوق سے متعلق شعور پیدا کرنا، مذہبی آزادی کا حق، مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے تشدد اور تعصبات کا پیدا ہونا، عبادت گاہوں کا قیام، تحفظ اور تبلیغ و اشاعت مذہب، تعلیمی نصاب میں تبدیلی وغیرہ۔

انتظامی نوعیت کے مسائل کے لیے انتظامیہ کو نہایت مؤثر اور فعال کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے اور اس نوع کے مسائل کا حل اسی صورت ممکن ہے کہ خود انتظامیہ کو بھی اقلیتوں کے حقوق سے متعلق شعور ہو اور اسلامی تعلیمات سے بھی آگاہی حاصل ہو۔ اس کے بغیر نہ تو سماجی اور مذہبی سطح پر رواداری پیدا کرنے کا خواب پورا ہو سکتا ہے اور نہ ہی نفرت انگیز مواد اور تقریروں پر پابندی عائد کی جا سکتی ہے۔ غیر مسلم اقلیتوں میں بھی حقوق سے متعلق شعور کی کمی ہے اور اسلامی تعلیمات سے آگاہی نہیں ہے۔ اگر وہ غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق سے متعلق اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہوں تو وہ کبھی یہ نہیں کہیں گے کہ شریعت کی فرماں روائی کی صورت میں ان کے مذہبی اور شہری حقوق پامال ہوں گے اور وہ دوسرے درجے کے شہری بن کر رہ جائیں گے، بلکہ وہ شرعی قوانین کے نفاذ میں ہی اپنے حقوق کا تحفظ سمجھیں گے۔ وہ نکات جو علمی اور فکری لحاظ سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان پر ہر دور میں

۵۳- محمد امین ابن عمر ابن عابدین، **ردالمحتار علی الدرالمختار** (بیروت: دار الفکر، ۱۴۱۲ھ)، ۴: ۱۷۰۔

فکری مباحثہ ہوتا رہا ہے، اور اس حوالے سے عہد رسالت اور خلفاے راشدین کے نظام کے زیر اثر دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ ان کا رویہ اوران کے بنیادی حقوق کی پاس داری ایک مثالی طرز عمل رہا ہے۔ علما اور فقہا نے مذہبی رواداری سے مراد یہ لیا ہے کہ دوسروں کے عقیدے، مذہب اوراحساسات کا احترام کیا جائے۔ کیوں کہ تحمل، برداشت، ہم آہنگی اور رواداری کا ماحول پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عقائد وخیالات اور افکار کو دوسروں پر مسلط نہ کیا جائے۔ زبردستی دوسروں کو اپنے مذہب میں داخل کرنے کی سعی نہ ہو۔ دوسروں کے عقائد پر علمی تنقید اس انداز سے ہو کہ وہ اختلاف راے سے آگے عداوت میں نہ تبدیل ہو جائے۔ ایک دوسرے کے مذہبی پیشواؤں اور معبودوں کو برا بھلا نہ کہا جائے۔ ان کی تحقیر نہ کی جائے۔ ایک دوسرے کی مذہبی مقدس کتابوں کی تحقیر نہ ہو، ان کا احترام کیا جائے۔ ایک دوسرے کی مذہبی عبادت گاہوں کے تقدس کا خیال رکھا جائے۔ ہر شخص کو کسی بھی عقیدے، مذہب اور فکر کو اختیار کرنے میں آزادی حاصل ہو۔ مذہب کے نام پر قتل وغارت گری اور بنیادی انسانی حقوق معطل نہ ہوں۔ فقہاے اسلام نے غیر مسلم اقلیتوں کے متعلق تفصیلی قوانین کے لیے قرآن وحدیث کو بنیاد بنایا ہے اور دور نبوی کے واقعات ،حالات اور خلفاے راشدین کے دور حکومت کو سامنے رکھتے ہوئے اقلیتوں کے حقوق کا تعین کیا ہے۔ انھی تعلیمات کو تعلیمی نصاب میں سمونے اور ان کے مطابق طلبا کی ذہن سازی کرنے کی ضرورت ہے۔

مملکت پاکستان میں اقلیتوں کو مکمل مذہبی آزادی کا حق دیا گیا ہے، علما کے بائیس نکات اور آئین پاکستان میں موجود ضمانت اس کا واضح ثبوت ہے۔ تشدد اور تعصبات کی وجہ مذہبی عقائد کی غلط تعبیر و تشریح نہیں ہے بلکہ چند افراد اور گروہوں کا انتہا پسندانہ رویہ ہے جو کہ جمہور امت کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ علما افراط و تفریط، غلو، تشدد اور انتہا پسندی کی مذمت ہی کرتے ہیں۔

۞ ۞ ۞ ۞ ۞